بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

★ انتخابات ۱۹۹۰ء ۔ قومی شعور کی آزمائش

★ ۔ نگران حکومت کا اصولی موقف سے انحراف

★ ۔ مولانا محمد ہاروی کی رحلت کمانڈر محمد اسماعیل کی شہادت

قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے عام انتخابات کے انعقاد میں اب محض چند روز باقی رہ گئے ہیں۔ اہلِ پاکستان کیا امورِ مملکت میں شرکت کے لیے اپنے نمائندوں کے انتخاب کا یہ موقع وطنِ عزیز کی تاریخ میں چوتھی بار واقع ہو رہا ہے۔ قیامِ پاکستان کے ۲۳ برس بعد ۱۹۷۰ میں قومی سطح پر اپنے نمائندوں کے چناؤ کا موقع پہلی بار ملا تھا مگر افسوس کہ اس آزمائش میں ہم پورے نہ اتر سکے۔ ہمارے ووٹوں سے ایسے لوگ ہماری نمائندگی کے منصب پر فائز ہوئے جنہوں نے ملک کو اپنی ہوسِ اقتدار اور خود غرضیوں کی بھینٹ چڑھا دیا، آگ اور خون کی ہولی کھیلی گئی۔ خانہ جنگی کا بازار گرم ہوا۔ ملک کے آدھے اور عظیم تر حصے کو کاٹ پھینکا گیا۔ معاشرے میں دھونس، دھاندلی، دھوکے اور بے حیائی کا چلن عام ہوا۔ کارخانوں پر تالے پڑے، مزدوروں پر گولیاں چلیں۔ ترنگا جھنڈا لہرا کہ ہر طرح کی قانون شکنی کا اذن عام ملا۔ وابستگانِ دربار کی سرپرستی میں گلی گلی جرائم کے اڈے کھل گئے۔ تعلیمی ادارے تاراج ہوئے، ملازمتوں میں اہلیت کے بجائے پارٹی وابستگی کو ترجیح حاصل ہوئی، مصلحین باغی قرار پائے۔ فسطائیت کے بدترین مظاہرے ہوئے مخالف سیاسی رہنما اور عوامی نمائندے جیلوں میں شرمناک تشدد اور رسواکن سلوک کا نشانہ بنے۔ سیاسی قتل روز کا معمول بن گئے۔ پارلیمنٹ میں ننھی سی اپوزیشن کی نحیف آواز بھی طبعِ نازک پر گراں گذرنے لگی۔ حزبِ اختلاف کے سیاسی رہنما اور علماء مسلح گارڈ کے ذریعے اسمبلی ہال سے اٹھوا کر باہر پھینکوائے جاتے رہے۔ تعلیم گاہیں مقتل بنیں، قوم کی بیٹیاں دن دہاڑے سڑکوں سے اٹھائی جانے اور گورنر ہاؤس سے برآمد ہونے لگیں۔ صحافت پابہ زنجیر بن گئی۔ عقوبت گاہیں اور تعذیب گھر ستم رسیدوں کی فریادوں سے گونج اٹھے۔ بالآخر مظلوموں کی آہیں قہرِ خداوندی کو جوش میں لانے کا سبب بنیں۔ پسنے والے مظلوموں کو ظالموں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا حوصلہ عطا ہوا۔ تمام سیاسی رہنماؤں کو "نظامِ مصطفےٰ" کی چھتری تلے پناہ ملی۔ مولانا مفتی محمود مرحوم کی قیادت پر سب متفق ہوئے۔ خالص دینی اور مذہبی قیادت اور مسلمانوں میں تحریکِ نظامِ مصطفےٰ کی کامیابی کی صورت میں نفاذِ شریعت کی قطعی توقعات کے پیشِ نظر جذبۂ جہاد ایسا ابھرا کہ نہتے عوام نے ہوتی سنگینوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار اور گولیوں کی بوچھاڑ

کے مقابلے میں فولادی چٹان بن گئے۔ بالآخر ظلم کی یہ رات ختم ہوئی۔ اس دورِ ظلمت کی تباہ کاریوں کے اثرات اور نتائج قوم آج تک بھگت رہی ہے۔

یہ باتیں کچھ پرانی نہ تھیں ہم سب کے آنکھوں دیکھے واقعات ہیں۔ یہ سب کچھ سیاسی قائدین اور خود ہمارے اوپر بیتا ہے۔ قوم کے فرد فرد کے حافظے میں یہ ساری داستان ابھی محفوظ تھی کہ ۸۸ء کے الیکشن کے نتیجے میں کچھ قومی شعور کی بے حسی یا کچھ بعض دینی حلقوں کی سیاسی غلطیوں اور کچھ عوام کی غفلت ولاپرواہیوں اور زیادہ تر قومی اور اجتماعی نوعیت کے گناہوں کا ثمرہ تھا کہ ہم لوگ ریورس گیر لگا کر اس مقام پر جا پہنچے جہاں سے ۷۷ء میں گلوخلاصی کے لئے قوم نے عظیم قربانیاں دے کر جبر و استبداد کی تاریک رات سے نجات حاصل کی تھی۔

فسطائیت کے وہی اعمال، جبر و استبداد اور ظلم و ستم کی وہی داستان پھر رقم ہونے لگی جس کا آغاز بھٹو مرحوم نے کیا تھا بلکہ بیٹی کا دورِ حکومت، باپ کے دورِ اقتدار سے کئی لحاظ سے بدتر تھا سب سے بڑھ کر یہ کہ، اسلامی احکام، قرآنی تعلیمات، قطعی نصوص، شرعی سزاؤں اور نبوی تعلیمات کا کھلے بندوں مذاق اڑایا جانے لگا۔ سابقہ حکومت کی تمام مشینری اور پیپلز پارٹی اپنے آقاؤں اور ہمکاروں سمیت خم ٹھونک کر "شریعت بل" کے مقابلے میں آگئی — اب کے بار بھی دینی حلقوں، مذہبی جماعتوں اور سیاسی پارٹیوں کو بالآخر "شریعت بل" کی چھتری تلے آئے بغیر کوئی دوسرا چارہ نہ رہا۔

چنانچہ مولانا سمیع الحق کی دعوت پر آل پارٹیز شریعت کانفرنس کے انعقاد کے بعد ان ہی کی رہنمائی اور قیادت میں تحریک نفاذ شریعت کا آغاز ہوا۔ بیرونی طاقتوں کو تحریک کا ہدف بہت جلد کامیاب ہوتا نظر آیا لہذا اسمبلیاں توڑ دیں کہ شریعت بل کو ڈائنامیٹ کر دینے کے لئے اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ ۶ سال کا گذشتہ عہدِ ستم اور ۲۰ ماہ کا حالیہ دورِ استبداد کس گناہ کی پاداش اور کس غلطی کے نتیجے میں ہم پر مسلط ہوا تھا۔ اس کا سیدھا سادا جواب یہی ہے کہ گذشتہ ادوار میں قوم کو اپنے نمائندوں کے انتخاب کے جو مواقع ملے تھے ان کا وہ صحیح استعمال نہ کر سکی۔ رائے دہندگان کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرنے سے قاصر رہے کردار کے بجائے گفتار اور عمل کے بجائے دعووں کے فریب میں آگئے۔

ملک گیر تنظیم اور قومی و ملی مزاج اور ملک کے نظریاتی اساس کے تحفظ کا منشور رکھنے والی جماعتوں کو نظر انداز کر کے فسطائیت کے علمبرداروں کے سر پر اقتدار کا تاج سجا بیٹھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایسے لوگ سیاہ و سفید کے مالک بن بیٹھے جنہوں نے اپنے دورِ حکومت کا ایک ایک لمحہ اہل وطن کے لئے جہنم بنا دیا۔

اسی تناظر میں دیکھا جائے تو اب سے چند روز بعد ۲۴ اور ۲۷ اکتوبر کو ہونے والے انتخابات ایک بار پھر ہمارے قومی شعور کی نہایت کڑی آزمائش ہیں مستقبل کے کئی برسوں کے ایک ایک لمحے کا انحصار ان انتخابات میں قوم کی جانب سے سامنے آنے والے فیصلے پر ہوگا۔ یہ موقع سیاسی جماعتوں بالخصوص دینی مذہبی اور اسلام پسند قائدین، حکومت اور عام ووٹروں سمیت پوری قوم کا نہایت کڑا اور نازک امتحان ہے۔

ا۔ ان انتخابات میں سیاسی پارٹیاں بالخصوص مذہبی و دینی اور اسلام پسند جماعتیں جس آزمائش سے دوچار ہیں اس میں کامیابی کی راہ ان کے لئے صرف یہی ہے کہ وہ اپنی اجتماعی قوت کو منفی، خالص گروہی اور ملکی مفاد سے بالاتر صرف جماعتی مقاصد کے بجائے مثبت اور قومی و ملی اور خالص دینی مقاصد کے لئے استعمال کریں ایسی انتخابی حکمت عملی سے گریز کیا جائے جس سے کسی بھی اسلام پسند قوت کا نقصان ہو اور براہِ راست فسطائیت کے کسی بھی علمبردار کے لئے کامیابی کی راہ ہموار ہو۔

ب۔ یہ انتخابات خود حکومت کے لئے بھی ایک کڑی آزمائش ہیں حکومت کا امتحان یہ ہے کہ وہ کس حد تک اپنے وعدوں کے مطابق آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانب دارانہ انتخابات کرانے میں کامیاب ہوتی ہے اس کے فیصلے، اقدامات اور انتظامات کہاں تک انتخاب کے اعتبار کو مستحکم کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں انتخابات کو ہر طرح کی بدعنوانی سے پاک رکھنا حکومت کا ایسا فریضہ ہے جس پر ملک کے پورے مستقبل کا دارومدار ہے اس موقعہ پر معمولی سی لغزش سے بھی پورا انتخابی عمل مشتبہ قرار پا سکتا ہے۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ دستور میں دیئے گئے اہلیت سے متعلق شرائط اور اصولوں کو ترک و پامال کرنا خود اپنی مشکلات میں خاصا اضافہ کرنا ہے۔ ملکی دستور میں امیدواروں کے لئے سیرت و کردار اور نظریاتی شناخت کے سلسلہ میں جن شرائط کو لازمی قرار دیا گیا ہے ان کی تکمیل کا اہتمام تو کجا، ان کو یک لخت فراموش بلکہ معدوم کر دینے کو قومی اور ملی اقدار سے استہزاء اور تضحیک کے سوا اسے کوئی دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا۔ ایسی صورتِ حال میں حکومت کی آزمائش دو بنیادی ذمہ داریوں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے ایک امن و امان کا اہتمام و استقرار اور دوسرے ہر نوعیت کے دھاندلیوں کا مکمل سدِّباب۔

ج۔ ان انتخابات میں بھی تیسری اور اہم ترین آزمائش ملک بھر کے ان کم و بیش پانچ کروڑ رائے دہندگان کی ہے جن کے نام انتخابی فہرستوں میں درج ہیں ملک کا مستقبل عملاً ان کے ہاتھ میں ہے۔ ۱۹۷۰ء، ۱۹۸۵ء، ۱۹۸۸ء میں رائے دہندگان نے جو فیصلے کئے تھے بعد کے عرصہ ۷۰ سے ۹۰ تک مسلسل ۲۰ برسوں کا ایک ایک لمحہ

ان فیصلوں سے متاثر ہوا اور اب ۲۴ اور ۲۷ اکتوبر کو رائے دہندہ گان جو فیصلہ کریں گے جیسے نمائندے منتخب کریں گے ہمارے مستقبل کا سارا انحصار اسی پر ہوگا اس لئے ان انتخابات کو غیر اہم اور غیر سنجیدہ معاملہ سمجھ کر ان سے لاتعلقی کا رویہ اختیار کئے رکھنا، پوری قوم اور اس کے ایک ایک فرد کے لئے نہایت خطرناک اور سنگین نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔ ایک اسلامی مملکت کے شہری کے لئے الیکشن میں ووٹ دینا محض ایک سیاسی عمل نہیں بلکہ ایک دینی فریضے کی ادائیگی اور قرآن کے اس حکم کی تعمیل ہے ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے سپرد کرو جو امانتوں کا حق ادا کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں

اب ظاہر ہے کہ ملک کے تمام وسائل و ذرائع اور حکمرانی جیسے اہم ترین مناصب سپرد کرنے کے معاملے میں، اسلامی مملکت کے ایک مسلمان شہری کا لاتعلق رہنا کس قدر سنگین جرم ہو سکتا ہے۔

ہم خود کو لاتعلق رکھ کر ایک دن کی زحمت سے تو بچ سکتے ہیں لیکن اس ایک دن میں ہونے والے اہم فیصلے کے نتائج سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ جو برسوں کے لئے ہماری زندگی کے ایک ایک لمحے کو اپنی گرفت میں لے لیں گے۔

ووٹ کا استعمال درحقیقت فریضہ شہادتِ حق کی ادائیگی ہے جو حق کا ساتھ نہ دے گا وہ لازماً باطل کا مددگار ہوگا۔ خیر کے مغلوب اور شر کے غالب ہونے کا ذریعہ بنے گا۔ ووٹ مقدس امانت ہی نہیں ایک مؤثر قوت بھی ہے اور یہ مستقبل کے حکمرانوں کا تقرر نامہ ہے ملک بھر میں ووٹروں کے سامنے ہر حلقے میں کئی کئی امیدوار موجود ہیں۔ کسی امیدوار کے حق میں رائے دینے کی مختلف بنیادیں ہو سکتی ہیں۔ برادری قبیلے، علاقے، زبان اور مسلک و عقائد کے رشتے ہمارے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

لیکن اللہ و رسولؐ سے وفاداری، اخلاقی ذمہ داریوں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ملک و قوم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ووٹر تمام تعلقات اور وابستگیوں سے بالاتر ہو کر یہ دیکھے کہ اس کے سامنے موجود امیدواروں میں سے اپنے کردار، تقویٰ، خدا ترسی اور اہلیت کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔ پھر جسے وہ اپنی ضمیر کی آواز کے مطابق بہتر سمجھے اس کے حق میں اپنی رائے استعمال کرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"جس نے مسلمانوں کی کسی بھی چیز پر کسی ایسے شخص کو والی اور حاکم بنا دیا جس سے بہتر فرد موجود ہو تو اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے خیانت کی"

نگران حکومت کا اصولی موقف سے انحراف

انتخابات اور مستقبل کی نئی حکومت کی تشکیل کے حساس مرحلہ میں نگران حکومت بھی سیاسی قوت کی فراہمی کی خاطر جو چالیں چل رہی ہے اس سے خود حکومت کی سیاسی اہلیت کے تاثر اور اس کے ذاتی وقار میں کوئی اضافہ نہیں ہوا اگر اس مزاج اور کردار کے وڈیروں اور سرمایہ داروں اور پیپلز پارٹی کی ذہنیت کے سیاست کاروں کا مزید حصار قبول کیا جاتا رہا تو قوم کو مایوسی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ اگر نگران حکومت، ارباب اقتدار کو شکار کھلانے والے پیشہ ور ابن الوقتوں کو وزارتیں بانٹتے، انہیں سرکاری خرچ پر پرانے یا پیپو ل کے گروپ تشکیل دینے کے ٹھیکے دینے اور ان کی انتخابی کامیابی کی راہیں ہموار کرتی نظر آئے گی تو احتساب میں عدل وانصاف کا بھی خدا حافظ

اگر عوام نے نگران حکومت سے نفاذ شریعت (محض خوش فہمی) حقیقی جمہوریت کے فروغ، منصفانہ و غیر جانبدارانہ انتخابات اور پرامن انتقال اقتدار کے توقعات وابستہ کی ہوئی ہیں تو کیا یہ توقعات غلام مصطفیٰ کھر، عابدہ حسین، قاضی عبدالمجید، صلاح الدین، شہزادہ گستاسپ، جام علی صادق جیسے اصحاب کے ذریعے پورے ہوں گے۔ اگر ان لوگوں کے ذریعہ نفاذ اسلام یا قوم و ملک کی خدمت ممکن ہوتی تو ۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ، ۸۵ء کا نفاذ شریعت بل، متحدہ شریعت محاذ، ۸۹ء کی متحدہ علماء کونسل اور ۹۰ء کی تحریک نفاذ شریعت چلانے کی نوبت ہی کیوں آتی۔ ملکی استحکام اور سالمیت اور نظریاتی اساس کے تحفظ کے لئے نگران حکومت کا یہی وہ سیاسی ہوم ورک ہے جو پیپلز پارٹی کے پٹے ہوئے جاگیرداروں اور سرمایہ دار مہروں کی پیش رفت کی صورت میں سامنے لایا جا رہا ہے۔ امیدواروں کی اخلاقی اہلیت کے تعین کے لئے کچھ معیارات بھی دستور میں متعین ہیں مگر اس کے باوجود ماضی کے اعمال کی روشنی میں دستور ہی کے طے کردہ ان عناصر کی سابقہ نااہلیوں کے لئے استثنیٰ کی راہیں پیدا کی جا رہی ہیں جنہیں خود صدر نے سنگین جرائم، قومی و ملی گناہ اور بدترین بداعمالیوں کی دستاویزی شہادتوں کی بنیاد پر نااہل قرار دیا تھا۔

ہماری رائے یہ ہے کہ انفرادی استثنیٰ کے چور دروازے کھولنے کے بجائے حکومت اصولی موقف اختیار کرے۔ اصولی موقف سے روگردانی کی گئی تو خود غرضانہ اور اقتدار پرستانہ سودے بازی کے الزام سے مفر نہیں ہوگا۔ اصولی موقف ہی حکمرانوں کو راستی، عدل، یکسانیت کے صراط مستقیم پر جادہ پیما رکھتا ہے۔ مصلحت و منفعت اور غرض مندی و مطلب برآری والے موقف ہمیشہ ناکامی کا سبب بنا کرتے ہیں۔ سیاسی جماعتوں کو انتخابات میں بھرپور حصہ لینا چاہئے البتہ انہیں جمہوری آداب اور ملی و نظریاتی تقاضوں کا پابند ضرور کیا جانا چاہئے۔ بے امتیاز، یکساں اور اصولی موقف کے ساتھ پیش رفت نگران حکومت سمیت